20

تبلیغِ احمدیت کا موسم معلوم نہیں کب ختم ہو جائے اس لئے جلد از جلد اپنا کام ختم کرو

(فرمودہ 17 ستمبر 1943ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"ہر ایک چیز کا ایک وقت ہوتا ہے اور اس وقت کے آگے یا پیچھے ہو جانے سے وہ کام جو ٹھیک وقت پر ہونا ہوتا ہے رُک جاتا ہے۔ وہی کام جو اپنے وقت پر سہولت سے اور احسن طور پر ہو سکتا ہے اس کے لئے وقت گزر جانے کے بعد بڑی مشکلات پیش آ جاتی ہیں۔ اور بعض اوقات کوئی کام بالکل بے وقت بھی ہو جاتا ہے مگر اس کے پورا کرنے کے لئے بڑی قربانی کی ضرورت پیش آ جاتی ہے۔ پھر بھی اس قربانی کے بعد جو نتیجہ نکلتا ہے وہ خرچ کے مقابل میں بہت ہی کم ہوتا ہے۔ دیکھو سونا بنانے والے کتنی کوشش کرتے ہیں۔ سالہا سال خرچ کئے جاتے ہیں اور لاکھوں روپے سونا بنانے میں کامیاب ہونے کے لئے خرچ کر دیتے ہیں۔ پھر ان میں سے بعض لوگ کہہ دیتے ہیں ہم نے گُٹھلی بھر سونا بنالیا ہے۔ اول تو یہ جھوٹ ہوتا ہے۔ مگر ہم فرض کر لیتے ہیں کہ صحیح ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ غیر طبعی طریق کیوں اختیار کیا گیا؟ غیر طبعی طریق اختیار کرنے سے کیا فائدہ حاصل ہؤا؟ اگر وہ اتنا ہی وقت جو اُس نے سونا بنانے میں کامیاب ہونے میں لگایا کسی تجارت پر لگاتا، صنعت و حرفت پر لگاتا اور وہ طریق اختیار کرتا جو

خدا نے مقرر کیا تو اس سے بہت زیادہ فائدہ حاصل ہوتا جو ایک گٹھلی برابر سونا بنا کر اسے حاصل ہؤا۔ غیر طبعی طریق اختیار کر کے اس نے دوستوں کی مجالس کو چھوڑا، تنہائی اختیار کی، سرمایہ لگایا اور لاکھوں روپے اس میں کامیاب ہونے کے لئے خرچ کئے۔ سالہا سال آگ کے آگے بیٹھنا پڑا، دھوئیں اور راکھ میں پھونکیں مارتا رہا۔ ان سارے اوقات اور لاکھوں روپے خرچ کے بعد جو اسے حاصل ہؤا وہ ایک گٹھلی برابر سونا ہے۔ اگر وہ صحیح طریق اختیار کرتا اور اس رقم کو جو سونا بنانے کی دُھن میں اس نے خرچ کی بازار سے سونا خریدتا تو شاید 15، 16 سَو گُنا زیادہ خرید سکتا۔

مکہ مکرمہ میں درخت نہیں اُگ سکتے۔ وہاں بعض نے باغ لگانے کی کوشش کی ہے مگر اس غیر طبعی طریق اختیار کرنے والے کی عقل پر تعجب ہے۔ وہ ہزاروں ہزار روپیہ خرچ کر کے طائف سے مٹی لایا، گڑھے کھدوا کے ان میں مٹی ڈالی اور پھر ان گڑھوں میں وہ درخت بونے میں کامیاب ہؤا مگر اس نے مٹی منگوا کر ڈلوانے اور گڑھے کھودنے میں کس قدر خرچ کیا اور اس قدر خرچ کرنے کے بعد جو پھل اُترا وہ نہایت ہی تھوڑا تھا۔ پس جو نتیجہ نکلا اسے اس سے کیا حاصل ہؤا لیکن اگر وہ اس ہزار یا لاکھ روپے کو جائز اور صحیح طور پر استعمال کرتا تو ممکن ہے کہ اتنی ہی رقم کو خرچ کر کے سو گُنا فائدہ اٹھا لیتا۔ جتنا اس نے غیر طبعی طریق پر خرچ کر کے اٹھایا۔ یوں تو لوگ کمروں میں بھی درخت لگا لیتے ہیں۔ بعض لوگ شیشے کے کمرے بنا کر پودے لگاتے ہیں۔ ان کا باغبان بھی مقرر ہوتا ہے۔ ماہر فن مقرر کئے جاتے ہیں۔ تجربے کئے جاتے ہیں۔ ان سے درخت اُگ بھی آتا ہے۔ بعض اوقات دوسرے کسی غیر طبعی طریق سے بعض سامان کر دیئے جاتے ہیں تو گرم ملک کا درخت سرد ملک میں اور سرد ملک کا درخت گرم ملک میں اُگ آتا ہے۔ مگر اس سے جو پھل ملتا ہے وہ خرچ کے مقابلہ میں کم ہوتا ہے۔ کیونکہ سرد ملک کا درخت گرم علاقے میں بوئیں یا گرم کا سرد میں بوئیں تو اس پر جو خرچ آئے گا اس کا نتیجہ نقصان کی صورت میں ہی نکلے گا۔ اگر وہ درخت پھل دے گا تو وہ پھل بہت ہی کم ہو گا۔ ہندوستان میں سینکڑوں آدمی اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ بے موسم کا آم پیدا کیا جائے۔ انہوں نے بیسیوں قسم کے آم پیدا کئے ہیں اور مختلف موسم میں پھل دینے والے آموں کا

تجربہ کیا ہے۔ نتیجہ کیا ہے؟ یہی کہ کسی پر چار دانے ہوتے ہیں، کسی پر پانچ۔ وہ سارے سال میں اس کا دسواں حصہ بھی نہیں بنتے جتنا دوسرا درخت اپنے اصل موسم میں پھل دے دیتا ہے۔

یہی حال ان تحریکات کا ہوتا ہے جو الٰہی تحریکات ہوتی ہیں۔ یعنی جس طرح آموں کے پھل دینے کا وقت ہوتا ہے اور خربوزوں کے پکنے کا وقت مقرر ہے، گندم کے پکنے کا موسم ہے۔ اگر اس موسم میں جو ان کے بونے کا ہے ان کی کاشت کی جائے تو کثیر غلّہ پیدا ہو جاتا ہے اور انسان نفع اٹھالیتا ہے۔ اسی طرح الٰہی تحریکات کے کامیاب کرنے پر اگر وقت پر کوشش ہو تو نتائج بہت شاندار نکلتے ہیں۔ مگر دوسرے وقت نتیجہ ایسا خوش کُن نہیں ہوتا۔ جب رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے دعویٰ کیا تو لوگوں نے بڑی بڑی قربانیاں کیں اور اسلام کی تعلیم کو لے کر اکنافِ عالم میں پھیل گئے اور قرآن کریم کو ہاتھ میں لے کر تبلیغ کے میدان میں نکل کھڑے ہوئے۔ قربانیاں کیں اور اس کی تعلیم کو پھیلایا۔ اس وقت قرآن کے اور حدیث کے الفاظ وہی تھے جو آج ہیں۔ اور لغت کے لحاظ سے اس کا وہی مفہوم نکالا جاتا تھا جو آج نکالا جاتا ہے۔ لیکن وہ اسلام کی ترقی کا موسم تھا۔ صحابہؓ نے تبلیغ کی اور اسلام پھیلتا چلا گیا۔ لیکن جب قرآن کریم کے پھیلنے کا وقت گزر گیا اور اسلام کی ترقی کا وقت ختم ہؤا تو لوگ قرآن کریم کو پڑھتے تھے مگر وہ دلوں میں نہیں اترتا تھا۔ یہی قرآن تھا جس کو کافر بھی سنتے تھے اور سر دُھنتے تھے کہ واہ واہ کمال کر دیا اور اب یہی قرآن ہے جس کو سن کر لوگ قہقہہ لگاتے ہیں اور کہتے ہیں اس میں دَھرا ہی کیا ہے؟ اس سے فائدہ ہی کیا ہے؟ یہ تو مسجدوں کے ملّانوں کے پڑھنے کے لئے ہے یا بے کاروں کا کام ہے کہ اسے پڑھیں۔ اس قرآن سے نہ ہماری سیاست کو کوئی فائدہ ہے، نہ صنعت کو۔ ہمیں وہ کتابیں پڑھنی چاہئیں جن سے ہمارے پیشے ترقی کریں، سیاست ترقی کرے اور ہمیں یورپ کا فلسفہ پڑھنا چاہیئے۔ دیکھو یہی قرآن پہلے بھی تھا جس کو سن کر دشمن بھی سر دُھنتا تھا مگر اب لوگ کہتے ہیں کہ ہم کیوں اس کو پڑھنے میں وقت ضائع کریں۔ اس سے تو بہتر ہے کہ ہم غالب کے شعر پڑھیں اور اگر کوئی قرآن کریم پڑھنا شروع کر دے تو سارے جسم پر چیونٹیاں رینگنی شروع ہو جاتی ہیں۔

تو ہر چیز کا ایک موسم ہوتا ہے۔ جب وہ موسم گزر جائے تو پھر وہ اتنا اثر پیدا نہیں کرتا۔ اسی قرآن کریم نے جو اثر حضرت ابو بکرؓ پر کیا، حضرت عمرؓ پر کیا، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ پر کیا۔ اور اسی طرح ثعبان ثوری، احمد بن حنبلؒ اور امام ابو حنیفہؒ پر کیا۔ جب اس کی اشاعت کا موسم گزر گیا تو قرآن کریم نے بے موسم اُگنا بند کر دیا۔ یہی قرآن تھا جس کا بیج ان بزرگوں کے دلوں میں لگا اور ایسے پھل دیئے کہ جن کو دیکھ کر عقل محوِ حیرت ہو جاتی تھی۔ اور دوست اور دشمن کو تعجب کا اظہار کرنا پڑتا تھا کہ یہ کیا چیز ہے اور پہلے دنیا میں ایسی چیز کہاں میسر آتی تھی۔ مگر اب وہی چیز لوگوں کو بے معنی نظر آتی ہے، بے مغز نظر آتی ہے اور صرف اس لئے رہ گیا ہے کہ غلافوں میں بند پڑا رہے۔ مسجدوں میں رکھا جائے اور ریشم کے غلافوں میں لپیٹا جائے۔ اب کان اس کو سننے کی بھی کوشش نہیں کرتے اور اگر سنتے ہیں تو خیالات اس کے آگے ایک دیوار بن کر حائل ہو جاتے ہیں اور جن خیالات کو سوچتے ہوئے لوگ مسجد میں آتے ہیں اسی دُھن میں نکل جاتے ہیں۔ ان دل کے خیالات کی وجہ سے باہر سے کان میں پڑنے والی آیتوں پر کوئی کان نہیں دَھرتا۔ ایسا کیوں ہؤا؟ اسی لئے کہ یہ ایک بے موسم کی چیز ہو گیا۔ اس کی اشاعت کا موسم گزر گیا۔

پس دینی تحریکات کے لئے بھی ایک موسم ہوتا ہے۔ خدا کا نبی جب دنیا میں آتا ہے تو وہ موسم دین کے پھیلنے کا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے نشان لوگوں پر اثر کرتے ہیں۔ عقلی دلیلیں نتیجہ خیز ہوتی ہیں اور عظیم الشان تغیرات پیدا ہو جاتے ہیں لیکن جب وہ موسم گزر جاتا ہے تو پھر وہ تعلیم لوگوں کے دلوں میں کوئی اثر نہیں کرتی۔ جس طرح نومبر یا اکتوبر میں بوئی ہوئی گندم پھل دے جاتی ہے اور جون اور مئی میں بوئی ہوئی گندم کوئی پھل نہیں دیتی۔ مثلاً موسم میں اگر کسی جگہ سے دس یا بیس مَن نکلنی ہوتی ہے تو دوسرے موسم میں بونے سے فائدہ تو الگ رہا بیج بھی واپس نہیں آتا۔ اسی طرح الٰہی تحریکات کے پھیلنے کا موسم جب گزر جاتا ہے تو جدوجہد جو اس کی اشاعت میں کی جاتی ہے وہ فضول ضائع جاتی ہے۔ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کا زمانہ ایک ایسا زمانہ تھا کہ جس کی تاریخ محفوظ ہے۔ ایسا نہ تھا جس طرح حضرت زرتشت یا رامچندر کا زمانہ تھا کہ ان کے زمانوں کی تاریخ محفوظ نہیں۔ یعنی آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی ایک ایک حرکت

محفوظ ہے۔ اور لوگوں نے نقل کر دی ہے۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ یہ کیا فضول بات ہے کہ اتنی چھوٹی چھوٹی باتیں نقل کر دی ہی کہ آپ لقمہ اس طرح پکڑتے تھے، پگڑی اس طرح باندھتے تھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ تفصیلات اسلامی شریعت کے لئے ایک Back Ground کا کام دیتی ہیں۔ اور دنیا میں ہر چیز جو اپنے ماحول میں اثر کرتی ہے۔ وہ اثر ویسے بغیر ماحول کے پیدا نہیں ہو سکتا۔ کوئی تصویر بھی اپنی Back Ground کے بغیر خوبصورت معلوم نہیں ہوتی۔ اور اس کی مثال اسی طرح ہے جیسے تھیٹر (Theatre) میں سینری (Scenery) ہوتی ہے۔ اسی طرح شریعت اسلامیہ کے ساتھ ساتھ آنحضرت ﷺ کی زندگی کی تفصیلات ہیں۔ آپ کا اٹھنا بیٹھنا، آپ کا لباس، بات کرنے کی طرز، لوگوں کی طرف متوجہ ہونا، سوال کا جواب دینا وغیرہ سب باتیں بیان ہوئی ہیں اور ان سب تفصیلات کو ملا کر جو شکل اور جو تصویر آنحضرت ﷺ کی ہمارے ذہنوں میں آتی ہے وہ جو اثر رکھتی ہے وہ ان تفصیلات کے بغیر نہیں رکھتی۔ اس سے صحابہؓ نے آپ کی زندگی کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ مثلاً آپ کی پگڑی کیسی تھی؟ قد کتنا لمبا تھا؟ آپ کے رات دن کا پروگرام کیا تھا؟ مجالس میں آپ کس طرح بات کرتے تھے؟ آپ کو کیا کیا مشکلات پیش آئیں؟ اگر فرض بھی کر لیں کہ شریعتِ اسلامیہ سے ان باتوں کو دور کا تعلق بھی نہیں ہے لیکن جس چیز کا تعلق ہے وہ بھی ان کے بغیر اتنا اثر پیدا نہیں کر سکتی جتنا ان کے ساتھ کرتی ہے۔ یہ تمام باتیں بطور ایک Back Ground کے ہیں جس کے ذریعہ سے ہم حقیقت کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ ورنہ مذہب ایک فلسفیانہ خیال اور ایک شاعر کی بات رہ جاتا ہے۔ مسلمانوں نے وہ زمانہ بھی دیکھا جبکہ لوگ قرآن کریم کی ایک ایک آیت پڑھتے ہوئے ساری ساری رات گزار دیتے تھے۔ اور وہ زمانہ بھی دیکھا کہ اسی کے ماننے والوں نے اسے حقارت سے پھینک دیا۔ اور یہ قرآن ہر ملک کے سامنے پیش ہؤا اور ہر ایک نے اسے ٹھکرا دیا۔ ایک مصری عالم نے اپنے ایک مضمون میں قرآن کریم کے بہت سے کام گنوائے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ قرآن پچاس کام آتا ہے لیکن اگر مسلمان اس سے کوئی کام نہیں لیتے۔ تو صرف وہ جو اس کا اصل کام ہے یعنی اس کو پڑھ کر اس پر عمل کرنا۔ جو کام اس سے لئے جاتے ہیں اور اس نے گنوائے ہیں ان میں سے

بعض یہ ہیں۔ اول جھوٹ بولنے اور دھوکہ دینے کے لئے قسم کھانا، قبر پر پڑھنا وغیرہ۔ چنانچہ اسی طرح اس نے پچاس گھناؤنے اور قابلِ نفرت کاموں کا ذکر کیا ہے۔

پس کیا وجہ تھی کہ اب قرآن کی تعلیم نے وہ اثر نہ کیا؟ اس کی یہی وجہ تھی کہ اب اس کی شاعت کا موسم نہ رہا تھا۔ اس کی وہ Back Ground نہ رہی تھی۔ اس کی اشاعت کا موقع جاتا رہا تھا۔ جس طرح گیہوں کو اگر نومبر اور دسمبر میں بوئیں تو اچھا غلّہ دے دیتا ہے لیکن جون میں غلّہ نہیں پیدا کرتا۔ اسی طرح قرآن کریم نے اپنے موسم میں خوب پھل دیا۔ لیکن موسم گزر جانے کے بعد یہی بیج جب دوبارہ لوگوں کے دل میں بویا گیا تو اس نے کوئی پھل نہ دیا اور اندر باہر سے اسے دھکے ملے اور وہ کوئی نتیجہ خیز تبدیلی پیدا نہ کر سکا۔

اس کے بعد پھر ہمارا زمانہ آیا۔ جس میں ایک شخص پیدا ہوا۔ اس نے کہا کہ قرآن کے بیج کو بویا گیا۔ اس نے پھل دیا۔ پھر وہ موسم گزر گیا لیکن اب پھر اسی بیج کو دوبارہ بونے کا موقع آگیا ہے۔ تم نے چاہا تھا کہ موسم گزرنے کے بعد پھر فصل اُگاؤ۔ لیکن موسم کے گزرنے کی وجہ سے تم ایسا نہ کر سکے لیکن وہ موسم زمانہ چکر کھا کے پھر اسی وقت پر آگیا ہے اور اب دوبارہ اس کے بونے کا موسم ہے۔ پہلے زمانوں میں ایک فصل اُگائی جاتی، اس کے بعد دوسری فصل اُگائی جاتی۔ پہلے چاول بوئے گئے، پھر چنے بوئے گئے لیکن محمد رسول اللہ ﷺ نے دنیا کو آکر وہ بیج دیا جو تمام گزشتہ بیجوں سے اعلیٰ تھا اور اب کسی نئے بیج کی ضرورت نہ رہی۔ ہاں یہ فیصلہ ہوا کہ یہی بیج بار بار بویا جائے گا۔ اب کوئی مزید تجربہ نہیں ہو گا۔ اب اچھی فصل معلوم ہو گئی ہے۔ جیسے تجربے کے بعد جب ہمیں معلوم ہو جائے کہ فلاں بیج سب سے اچھا ہے اس کے بعد پھر کسی اور بیج کو بونا حماقت ہے۔ اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ نے سب سے اعلیٰ اور آخری بیج دنیا کو دیا تو پہلے بیجوں کی حاجت نہ رہی اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ پہلے ادنیٰ بیج اپنے اپنے زمانوں کی ضرورتوں کے موافق کافی تھے لیکن سب ضرورتوں کے لئے کافی نہ تھے۔ جیسا آنحضرت ﷺ نے آخری بیج دے دیا تو آئندہ فیصلہ ہوا کہ جب کبھی بیج بونے کا موسم آئے پھر وہی بیج بویا جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے پھر اسی بیج کے بونے کے موسم کو پیدا کر دیا۔ ہمیں خوشی ہے کہ پھر موسم آگیا لیکن اس بات کی ہمیں خبر

نہیں دی گئی کہ یہ موسم کب تک رہے گا۔ پس ہمیں فکر کرنی چاہیئے کہ ہم اس موسم سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھالیں۔ ایسا نہ ہو کہ جس طرح پہلے موسم گزرنے کے بعد اثر زائل ہو گیا تھا۔ اب بھی ویسا ہی ہو جائے۔

احمدیت کی تبلیغ کے لئے ابھی وقت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت کی حد ہمیں نہیں بتائی۔ اگر وہ بتا دیتا مثلاً یہ بتا دیتا کہ 300 سال ہے تو ہم کہتے ابھی بہت سا وقت باقی ہے۔ اگر ہم نے تبلیغ نہیں کی تو کیا ہؤا ہماری اولادیں اس کام کو کر لیں گی۔ اس کے بعد اگر ہماری اولادیں بھی اس کام کو پیچھے ڈال دیں تو آخری لوگ ہی پھر دوڑ دھوپ کرنے کے لئے رہ جاتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ نہیں بتایا کہ آخری حد 10 سال ہے یا 100 سال ہے۔ صرف اتنا بتایا ہے کہ بونے کا موسم آ گیا ہے۔ اور اسی طرح یکدم اس موسم کے ختم ہونے کا وقت بھی آ جائے گا اور اگر تم وقت کے اندر بوؤ گے تو کھیتی اُگے گی ورنہ نہیں۔ اور اگر تم وقت کے اندر فصل نہ اُگاؤ گے تو تمہارا حال قحط زدہ علاقوں کے انسانوں کی طرح ہو گا جو بھوکے مر جاتے ہیں۔ مثلاً جیسے آجکل بنگال کا حال ہے کہ روزانہ سو سو آدمی گلیوں میں بھوکے مرے ہوئے ملتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں انسان کا مقصد حیات نہیں بلکہ موت ہے۔ پس ہمیں فکر کرنی چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ احمدیت کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کا موسم ختم ہو جائے۔ پس ہمیں اس بیج کو بونے میں لگ جانا چاہیئے تا کہ ہم وقت پر فصل کاٹ سکیں۔ اور ایسا نہ ہو کہ فصل کاٹنے سے پہلے ہی اس پر تباہی اور خزاں آ جائے۔ ہماری زندگی کا ہر لمحہ جو گزر جاتا ہے وہ ہمیں دہشت دلاتا ہے کہ شاید بونے کا یہی آخری گھنٹہ تھا اور یہی وقت موسم کا آخری وقت تھا۔ اور شاید کل کو ہماری کاشت گیارھویں بارھویں صدی کی طرح بے سود رہے گی۔ خدا تعالیٰ نے ہمارے کام میں وسعت اور گرمی پیدا کرنے کے لئے وقت کے علم کو اپنے پاس محفوظ رکھا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمارے پاس وہ کتاب ہے جس میں وہ وقت محفوظ رکھا جاتا ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ روحانی اشاعت کا زمانہ اسی کے علم میں ہے۔ اس کے متعلق ہمیں نہیں بتایا گیا کہ اس کی فصل کا کتنا وقت باقی ہے تا کہ نہ حد سے زیادہ امید ہو اور نہ حد سے زیادہ مایوسی ہو۔ جس دن یہ موسم ختم ہو جائے گا قوم اٹھے گی، گلے پھاڑے گی، پمفلٹ تقسیم کرے گی مگر

کوئی اثر نہ ہو گا۔ یہی علم کی اور پُر حکمت باتیں ہنسی اور پاگل پنے کی باتیں ہو جائیں گی۔ حالانکہ وہ باتیں وہی ہوں گی جنہوں نے پہلے دنیا میں تغیر پیدا کیا ہو گا۔ آج وہ موسم ہے کہ ادھر ہم گٹھلی بوتے ہیں اُدھر لہلہاتا ہؤا پودا نکل آتا ہے۔ پھر موسم آئے گا کہ اس پودے کو کیڑا کھا جائے گا کیونکہ اس کے وقت پر اس کی کاشت نہیں کی گئی۔ پس جتنا جتنا ہم وقت پر بیج بوئیں گے اتنا ہی زیادہ پھل پائیں گے اور اگر اس کام میں دیر کریں گے تو نہ صرف اپنا بلکہ آئندہ دنیا کا بھی نقصان کریں گے۔"

(الفضل 2 نومبر 1943ء)